سب ٹائیٹل

سُلطان الفقر کا پیغام .... قلب ونظر کا اِنقلاب

صاحبزادہ سلطان احمد علی

جملہ حقوق

سُلطان الفقر کا پیغام..... قلب ونظر کا انقلاب

(یہ رسالہ صاحبزادہ سُلطان احمد علی سیکریٹری جنرل اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین کے یومِ سلطان الفقر کی ایک تقریب میں کی گئی فکری گفتگو کی تقلیب یعنی ٹرانسکرپشن ہے بعض ضروری مقامات پر جملوں میں روانی پیدا کرنے کے لئے معمولی تدوین کی گئی ہے)

تدوین ایم رحمت

بارِاوّل	اپریل 2012ء
ایڈیشن	اوّل
اشاعت	اپریل 2012ء

بااہتمام

WWW.ALFAQR.NET

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پاکستان دُنیا کی نظر میں ایک جغرافیہ ہے، ایک خطۂ زمین ہے، ایک مملکت ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے کے اندر یہ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا راز ہے پاکستان کا وجود خالصتاً رُوحانی وجود ہے۔ پاکستان کا خواب کسی سیاستدان نے نہیں دیکھا، پاکستان کا تصور کسی سیاسی کارکن کا دیا ہوا نہیں بلکہ یہ ایک قلندر اور درویش کا دیا ہوا ہے۔ اس کی فائل کے متعلق بے شمار گواہیاں جن کی سند بہت سی کتب میں بہت سی معتبر شخصیّات کی زبانی موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رُوحانی طور پہ کئی لوگوں کو بشارتیں دیں کہ پاکستان کی فائل مجلس نبوی ﷺ سے قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کو عطا کی گئی ہے جس فائل کا مقدمہ لڑ کر قائداعظمؒ نے اس ملک کو حاصل کیا۔ تو ایک یہ اس کا رُوحانی وجود ہے۔ اور اسی دن۔۔۔ ایسے واقعات وقوع پذیر ہوئے جن واقعات میں سے ایک واقعہ سلطان الفقر ششم حضرت سلطان محمد اصغر علی صاحبؒ کی ولادت ہے۔ یہ اس بات کی دلیل اور منہ بولتا ثبوت ہے کہ پاکستان اس دن تخلیق ہوا جس دن فقر کے سلطانِ ششّم نے کائنات کے اندر جلوہ گر ہونا تھا۔

اگر ہم یہ سمجھیں کہ یہ دونوں واقعات باہم دِگر مماثل نہیں تو یہ غلط ہوگا کیونکہ یہ ہم اس وقت سمجھتے کہ اگر پاکستان کے بنیادی نظریات اور سلطان الفقر ششم کے افکار میں کہیں ذرا برابر تصادم ہوتا تو ہم یہ سمجھتے کہ شاید انکی آپس میں کوئی مماثلت نہیں مگر

پاکستان اپنے وجود کے بنیادی نظریات کے اعتبار سے اور سلطان الفقر ششم کے افکار عالیہ جن کا ہم نے مشاہدہ کیا اور آج تک کر رہے ہیں ان میں کہیں ذرا برابر تصادم نہیں ہے۔ تو اسی لیے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ ایک ہی فیضان کی تمام کڑیاں ہیں جو بتدریج آگے چل رہی ہیں۔ مَیں تھوڑی سی وضاحت یہ کرنا چاہوں گا کہ پاکستان کے بنیادی نظریات کو اگر آپ دیکھیں تو وہ ایک درویش اور عارف کے نظریات تھے، وہ ایک قلندر کے نظریات تھے جن میں واضح طور پہ یہ بات موجود تھی کہ پاکستان کے اندر ملائیت کا نفاذ نہیں ہوگا اور ملائیت کی دو قسمیں ہیں ایک مذہبی ملائیت ہے اور دوسری سیکولر ملائیت۔ نظریاتِ پاکستان نے اور افکارِ سلطان الفقر نے ان دونوں ملائیتوں کی نفی کی ہے۔ پاکستان خالصتاً عشق اور فقر کی بنیادوں پر قائم ہے اور سلطان الفقر کا پیغام بھی عشق اور فقر ہے۔ اسی طرح پاکستان نفی کرتا ہے ان تمام نظاموں کی جو اللہ اور دِین کی راہ میں رکاوٹ ہیں اور اثبات کرتا ہے خدا کی توحید کا کہ توحید وہ مقام ہے جہاں انسانیت کو ایک نکتہ پہ متحد کیا جا سکتا ہے۔ سلطان الفقر کا پیغام بھی ہم یہی دیکھتے ہیں کہ نفی ہے تمام بتوں کی وہ بت ہم نے اپنی مادی کائنات کے اندر پال رکھے ہوں یا وہ بت ہم نے فرقوں کی اور طبقات کی صورت میں پال رکھے ہوں، سلطان الفقر کا پیغام ان تمام بتوں کی نفی ہے اور اثبات ہے فقط اور فقط توحید کا۔ جو جملہ حضرت سلطان باھُوؒ نے بار بار اپنی کتب میں لکھا وہ سلطان الفقر کے پیغام کا مغز ہے کہ ”اللہ بس ماسوی اللہ ھوس“ یہ مماثلت جب ہم پاکستان اور سلطان الفقر کے درمیان دیکھتے ہیں تو یہ یقین ہوجاتا ہے کہ اسی دن آپ کا جلوہ گر ہونا اور پاکستان کا بھی اسی دن معرض وجود میں آنا یہ دو مختلف نہیں بلکہ ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

اگر ہم سلطان الفقر حضرت سلطان محمد اصغر علیؒ کے بچپن کا جائزہ لیں تو وہ خالصتاً فقر کے ماحول میں تھا۔ وہ فقر جس میں بے نیازی بھی تھی، جس میں خودداری بھی تھی، جس میں خودی بھی تھی اور جس میں جنیدی بھی تھی اور اُردشیری بھی تھی۔ آپ کی زندگی کے دو واقعات میں سامنے رکھوں گا ایک کا تعلق جنیدی سے ہے اور دوسرے کا تعلق اُردشیری سے ہے۔ آپ ایک واقعہ اکثر فرماتے تھے (راقم نے سلطان الفقر کی زبانِ اقدس سے بارہا مرتبہ یہ واقعہ سنا) کہ آپؒ جب بچپن میں تھے تو آپ کے دادا حضور اور میرے پردادا حضرت سلطان فتح محمدؒ جو کہ شہنازِ عارفاں حضرت سلطان محمد عبدالعزیزؒ کے والدِ گرامی تھے۔ آپ کے ساتھ ایک فقیر رہے جن کا نام بابا احمد تھا۔ بابا احمد جب بالکل قریب المرگ تھے تو چار پائی پر بیٹھے تھے تو آپؒ قریب سے گزرے تو بابا احمد نے آواز دے کر بلایا کہ ”اصغر چن میری بات سنیں“۔ آپ فرماتے ہیں کہ ”مَیں گیا اور قریب چار پائی پہ بیٹھ گیا تو مجھے بابا احمد نے کہا کہ ”چن! ساری زندگی ہتھ پیر چماونے ہن یا کجھ کھٹنا ہے؟“ (تمام عمر ہاتھ پاؤں ہی چھوانے ہیں یا کچھ حاصل بھی کرنا ہے)

تو آپ فرماتے تھے کہ مَیں نے بابا احمد کو بڑی حیرت سے دیکھا اور کہا کہ ”مَیں کھٹنا ہے“ (میں نے حاصل کرنا ہے)۔ تو بابا احمد نے جس طرف حضرت سلطان محمد عبدالعزیزؒ تشریف فرما تھے اس کمرے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ

”اگر کھٹنا ای تے اُس جوان دا پتر نہ بنیں اوہدی غلامی کریں“۔ (اگر حاصل کرنا ہے

تو اُس سے تعلق باپ بیٹے والا نہ رکھنا بلکہ طالبِ مولا بن کر رہنا)

تو آپ فرماتے ہیں کہ پہلے بھی میرے ذہن میں اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا مگر بابا احمد نے جب یہ کہا تو اس دن سے میں نے یہ قسم کھا لی کہ مجھے ایک وفادار ساتھی نے ایک باوفا مشورہ دیا ہے اور میں انشاء اللہ اس عہد کے ساتھ وفا کروں گا۔ تو پھر آپ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی بھی حضرت سلطان عبدالعزیزؒ سے باپ بیٹے والا رشتہ نہیں رکھا کہ جس میں فقط وہ ایک روایتی مسند نشینی اور جانشینی آگے چلتی رہے۔ کیونکہ آپ حضرت سلطان باھُو کی اولاد تھے اگر آپ کچھ حاصل نہ بھی کرتے تو پھر بھی لوگوں نے ہاتھ تو چومنے تھے، لوگوں نے پاؤں بھی چومنے تھے، لوگوں نے نظر نیاز اور نذرانے بھی حضرت سلطان باھُو کی نسبت سے دینے تھے۔ مگر آپ نے اس پہ اکتفاء نہیں کیا اور یہ ہمارا یقین ہے کہ سلطان الفقر بطنِ مادر اور آغوشِ مادر میں بھی سلطان الفقر ہوتا ہے۔ مگر ایک عملی جستجو سنتِ نبوی سے عبارت ہے جیسا کہ رسولِ پاک ﷺ بطنِ مادر میں بھی نبی تھے، آپ آغوشِ مادر میں بھی نبی تھے، آپ دائی حلیمہ کی آغوش میں بھی نبی تھے، آپ کی تمام زندگی مبارک نبوت سے خالی نہیں ہے مگر رسولِ پاک ﷺ نے نبوت کی تکمیل کی خاطر عملی جستجو کی اور آپ نے عملی طور پہ اس چیز کو آگے بڑھایا۔

یہ واقعہ تو تھا جو جنیدی کے حوالے سے آپ نے فقرِ محمدی ﷺ کو اپنی ایک میراث گردانتے ہوئے طالبِ مولیٰ کی حیثیت سے عملی جدوجہد کی اور اس چیز کو پایا۔

اُردشیری کے حوالے سے حضور سلطان الفقر کے بچپن کا واقعہ آپ اکثر فرماتے تھے کہ مَیں نے اپنی زندگی کے تجربات میں اور زندگی کے بڑے حصے میں دین ہی سیکھا ہے مگر ہمیں اس کے ساتھ دنیا داری کے تقاضے بھی سکھائے گئے۔ دُنیا داری کے تقاضوں کے اندر ہمارے خاندان کی جو ایک روایت آرہی تھی گھڑسواری کی۔ مَیں نے خود گھڑسواری کی ہے اور اُن آداب کے ساتھ کی جو صدیوں سے ہمارے خاندان میں مقرر ہیں۔ آپ اکثر یہ فرماتے تھے کہ جس شخص نے دنیا داری کے گر سیکھنے ہیں وہ حضرت سلطان باھُو کے خاندان کی تازی داری کو سیکھے اسے پتہ چل جائے گا کہ دُنیا داروں کے ساتھ معاملہ کیسے کیا جاتا ہے۔ مَیں یقین سے کہتا ہوں کہ جس نے اُن آداب اور ایٹی کیٹس کے مطابق شہہ سواری سیکھی ہے اُس سے بہتر زمانہ شناس کوئی نہیں ہوسکتا۔ شہ سواری میں آپ نے مکمل طور پہ گھوڑے پہ غالب رہنا ہے اور گھوڑے کے ساتھ ظلم بھی نہیں کرنا، زیادتی بھی نہیں کرنی، مارنا بھی نہیں، اس کو گالی بھی نہیں دینی اور اس کو اپنے تابع بھی رکھنا ہے اور تھان پہ گھوڑے کی خوراک میں کمی بھی نہیں آنے دینی اور طاقتور سے طاقتور گھوڑا رکھنا ہے، گھوڑی کی سواری کرنی، کمزور گھوڑے کی سواری نہیں کرنی، منہ زور گھوڑے پر بیٹھنا ہے اسے مارنا بھی نہیں اور اسے قابو بھی رکھنا ہے۔ تو مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ زندگی کے وہ مراحل ہیں جس کو ایک عام انسان یہ سمجھتا ہے کہ یہ کیا کہ آپ باگیں پکڑ کے کہتے ہیں اتنا بڑا کوئی گُر ہم نے سیکھ لیا ہے۔ مگر ایک چیز ہمیں ذہن میں رکھنی چاہیے کہ جو فن آپ کی اُنگلیوں سے آگے چلتا ہے آپ سمجھ لیں کہ اُس فن کا آپ اگر سمندر کے ساتھ بھی موازنہ کرتے ہیں تو آپ اُس فن کی تحقیر کر رہے ہیں۔ گو کہ بہت کم ایسے فنون ہیں جو انگلیوں سے

نکلتے ہیں اُن میں ایک راگ ہے اور دوسرا باگ۔ یہ دونوں چیزیں انگلیوں سے نکلتیں ہیں۔ جوان دو سے معاملہ کر لیتا ہے انہیں استاد کہتے ہیں، آپ انہیں بڑے لوگ کہتے ہیں۔ گو کہ شریعتِ اسلامی کے مطابق سلسلہ عالیہ قادریہ کے طریقِ کار کے مطابق راگ ہمارے خاندان اور سلسلے میں نہیں ہے مگر جو باگ ہے یہ وہ فن ہے کہ جو آپ کو کاروبارِ زمانہ اور دنیا کے گھوڑے پر طاقتور بناتا ہے، آپ کو بھاری کر دیتا ہے۔ اسی دنیاداری کا وہ اثر تھا کہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ جب 1987ء میں مرشد کریم نے جماعت کا سلسلہ شروع کیا تو آپ نے کوئی بلند و بانگ دعوے نہیں کیے، کوئی بڑے بڑے لارے نہیں لگائے، انتہائی Low Profile طریقے سے جماعت کا کام ہوا، کسی کے ساتھ ہماری دُشمنی نہیں ہے، اِن 23 برسوں میں جماعت یا اِس کے Serving ساتھیوں پہ کوئی مقدمہ یا پرچہ نہیں جماعت نے اگر تنقید کی بھی ہے تو اِن الفاظ کے اندر کی ہے کہ آدمی نے اس کو اپنی اصلاح محسوس کیا ہے اس کو اپنے اوپر تنقید محسوس نہیں کیا۔ اسی طرح یہ جو فرقہ واریت ہے، اور تقسیم در تقسیم کا عمل، طبقاتی تفریق، اس سے نجات بھی ملی اور لوگوں کو محسوس بھی نہیں ہوا کہ یہ اتنی سخت باتیں ہو رہی ہیں اور ان کو اتنی آسانی کے ساتھ اتنے آرام کے ساتھ آپ نے پیش کیا ۔ پھر خانقاہی لوگوں کا ایک مزاج ہوتا ہے جو خانقاہی لوگ ہیں ان کو اگر آپ ایک تحریک کی شکل میں لانا چاہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ بالکل ایسے ہے جیسے آپ ایک انہونی کر رہے ہیں، آپ فطرت کے خلاف کر رہے ہیں۔ پچھلی چار صدیوں میں خانقاہی لوگوں نے جمود اور تعطل کا جو مزاج اپنا رکھا ہے اس میں خانقاہ سے کسی تحریک کا شروع ہو جانا یقیناً کسی ایسے ہی شخص کا کمال ہوسکتا ہے کہ جس کے ہاتھوں کے اندر

وہ باگ ہو اور اس باگ کے اوپر اس کی گرفت بڑی مضبوط ہو۔

آپ نے دُنیاوی مشاغل میں زمین داری اور ٹھیکیداری بھی کی ۔آپ کی دینی زندگی تو تھی ہی قرآن وسُنّت کی عملی تفسیر! آفرین تو آپ کے فرمائے ہوئے دُنیاوی فیصلوں پہ بھی ہے کہ جن میں کوئی ایک بھی قرآن کریم اور سُنّتِ رسول سے باہر نہیں ہے مجھے بچپن سے ہی اچھی طرح سے یاد ہے کہ حضور سلطان الفقر اپنے تمام جماعتی اور نجی فیصلوں پہ جیّد و معتبر علمائے کرام سے مشاورت کے بعد ہی حتمی فیصلہ فرماتے جن میں شیخ القرآن مولانا منظور احمد صاحب ، مفتی اشفاق احمد صاحب اور مفتی صالح محمد صاحب کا ذکر خاص طور میں یہاں کرنا چاہوں گا ایک بہت ہی مشہور شعر ہے کہ

جن کی ہر ہر ادا سُنّتِ مصطفی
ایسے پیرِ طریقت پہ لاکھوں سلام

آپ نے رسولِ کریم ﷺ کی سنت اور قرآن کے احکام 1947ء سے اپنے مرشد اور اپنے والد کی بارگاہ سے سننا شروع کیے اور آپ کی تمام زندگی قرآن اور سنت کو ایک راہنماء اصول بنا کے گزری ہے اور رسولِ پاک ﷺ نے جس طرح چالیس سال کی عمر میں اعلانِ نبوت فرمایا تھا میرے مرشد کریم نے اس سنت کو زندہ کیا اور یہ انٹینشنلی نہیں تھا کہ یہ بات ریکارڈ پہ آئے گی کہ ہم نے چالیس سال کی عمر میں یہ کیا بلکہ یہ قرآن و سنّت کی عملی تفسیر ہونے کا ثبوت ہے کہ قدرت نے یہ اتفاق بنایا کہ 1981ء میں حضرت سلطان محمد عبد العزیزؒ کا انتقال ہوتا ہے تو 1986ء تک

حضرت سلطان محمد صفدر علیؒ مسندِ ارشاد پہ جلوہ فرما ہوتے ہیں تو اس کے بعد سلطان محمد صفدر علی صاحب کے انتقال کے بعد 1986ء کے آخر میں آپ مسند پر جلوہ فرما ہوئے ۔ 1987ء میں آ کر آپ نے جماعت کی عملی شکل کا اعلان کیا تو اس سے ہمیں پیغام یہ ملتا ہے کہ وہ اسباب ایسے بنے اور حالات و واقعات ایسے پیدا ہوئے کہ اتفاقاً آپ کی عمر چالیس برس کی ہوئی آپ نے تحریک کا اعلان کیا یہ اس سنت کی ترجمانی تھی کہ جو رسولِ کریم ﷺ نے اعلانِ نبوت کی سب سے پہلی سنت آپ نے بنائی اور اپنائی تھی ۔اس میں ایک بات کو واضح کر دوں کہ ایک چیز کا رسول اللہ پہ اختتام ہوا ، ایک چیز رسول اللہ سے شروع ہوئی ۔اختتام ہوا نبوت کا اور آغاز ہوا فقر کا اور نبوت کے دوران اعلانِ نبوت سے بھی اگر آپ دیکھیں تو رسولِ پاک ﷺ تاریخ نبوت میں یقیناً امام الانبیاء بھی خاتم النبیین بھی ہیں اور تاریخ میں یہ آپ ہی کا نام ہے آپ نے بیک وقت دو ڈیوٹیاں سرانجام دیں اللہ تعالیٰ کی ۔ایک تو آپ نے اس نبوت کی ڈیوٹی سرانجام دی جو بطورِ نبی آپ کے ذمہ تھی دوسری آپ نے بطورِ مرشد وہ ڈیوٹی سرانجام دی جو کہ فقر کی دولت آپ سے چلی تھی یعنی رسول پاک ﷺ بیک وقت مسندِ نبوت پہ بھی جلوہ فرما تھے اور مسندِ ارشاد پہ بھی جلوہ فرما تھے کیونکہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا اس لیے جو مسندِ ارشاد ہے وہ رسول اللہ کے فقر کی وراثت ہے اور اس فقر کی مسند کو جو اپناتا ہے اس کو فقیر کہتے ہیں ، اس کو صاحب ارشاد کہتے ہیں ، اس کو مرشد کہتے ہیں اور یہ مرشد کی سب سے بڑی نشانی ہوتی ہے کہ وہ رسولِ پاک کی سنت کو زندہ رکھتا ہے۔

ایک چیز بڑی واضح ہے کہ مرّوجہ خانقاہی نظام کی مخالفت اور کھلے لفظوں میں اس

کی اصلاحات کی بات ہم نے اپنے مرشدِ کریم کی بارگاہ سے دیکھی بھی اور سنی بھی۔ مجھے لفظ بلفظ آپ کے وہ الفاظ یاد نہیں مگر مجھے وہ مفہوم یاد ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ جس طریقہ کار کے مطابق خانقاہی سلاسل کام کر رہے ہیں اس سے گمراہی میں اضافہ ہو رہا ہے یہ خاموشی سے بیٹھ جائیں لوگ گمراہی سے بچ جائیں گے۔ یہ جو آپ کی بصیرت، تجزیہ اور Wisdom تھا یہ ان چار سو سال کی اس خانقاہی زوال کی تاریخ کا احاطہ کرتا ہے کہ جو مسند نشینوں نے رویے اپنا رکھے ہیں۔ آپ اکثر یہ کہتے تھے کہ پیر ہونے کا معیار یہ نہیں کہ آپ پیر کی اولاد ہیں بلکہ پیر ہونے کا معیار اس سے بہت مختلف ہے۔ اگر پیر ہونے کا معیار یہ رکھ دیا جائے کہ میں پیر اس لیے ہوں چونکہ میرا باپ پیر تھا اور وہ پیر اس لیے تھا کیونکہ اس کا باپ پیر تھا تو پھر اس کا نتیجہ گمراہی، جہالت اور غفلت کے علاوہ کچھ نہیں نکل سکتا۔ ایک تو خانقاہی نظام کا یہ پسِ منظر تھا جس کی وجہ سے آپ نے خانقاہی نظام کی مروجہ خرافات کی تطہیر کی اور آپ نے وہ حقیقی نظام جو گنبدِ خضریٰ سے ماخذ ہے اس کی تجدید کی بات کی۔ اس کے اندر آپ نے جو عملی اقدامات فرمائے ان سے ہم یہ جائزہ لے سکتے ہیں کہ کس قدر آپ نے مروجہ خانقاہی نظام کے ابطال کے لیے اور گنبدِ خضریٰ کا نظام جو سلطنتِ مدینہ پر پریکٹس کیا گیا اس نظام کے احیاء کے لیے آپ نے یہ عملی اقدامات اٹھائے مثلاً آپ ایک بات فرماتے تھے کہ جو نذر نیاز اور نذرانہ آتا ہے یہ کس کی ملکیت ہے؟ کیا یہ خانقاہ کی، لنگر کی ملکیت ہے یا اس پیر یا مسند نشین کی جس کو پیش کیا جا رہا ہے؟ آپ نے اس پر روشنی ڈالی کہ یہ جس مسند نشین کو پیش کیا جا رہا ہے یہ اس کی ملکیت نہیں ہے یہ لنگر کی ملکیت ہے۔ اور دیکھیں آج جدید سسٹمز کی آپ کو جو ریفارمز نظر آتی ہیں وہ اِسی پر بُنیاد رکھتی ہیں۔

میں آپ کو اس کی مثال دے سکتا ہوں مثلاً آپ کوئی فلاحی ادارہ چلاتے ہیں میں اگر اُس کو ڈونیٹ کرتا ہوں تو کیا وہ ڈونیشن آپکی ملکیت ہوگی یا اُس ادارہ کی؟ یقیناً وہ ڈونیشن ادارے کی ملکیت ہے اور وہ قابلِ احتساب ہے۔ خانقاہ کو جب ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک فلاحی ادارہ تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو جو ڈونیشن دی جاتی ہے جسے ہم اصطلاح کے اندر نذر نیاز کہتے ہیں ڈونیشن بھی کہہ سکتے ہیں وہ ڈونیشن یقیناً ادارے کی ملکیت ہوگی۔

پھر ایک اور چیز جو ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے ایک انقلابی تحریک کی بنیاد رکھی اور اس انقلابی تحریک کی بنیاد رکھنے کا مطلب یہ تھا کہ یہ خانقاہی لوگ جو سوئے پڑے ہیں، جو دھمالیں ڈالتے ہیں، جو بھنگ رگڑتے ہیں، گھوٹے لگاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ تصوف ہے۔ آپ نے کہا کہ یہ لوگ اسی چیز کے اندر مست ہو کر پڑے ہیں ان کی انرجی ضائع ہو رہی ہے، انکی توانائیاں ضائع ہو رہی ہیں ضروری ہے کہ یہ جو خانقاہوں کے ساتھ ہنڈرڈز آف ملین لوگ پوری دنیا میں وابستہ ہیں اگر ان کی تربیت کر دی جائے انہیں لوگوں کو شیطانیت کے سامنے کھڑا کر دیا جائے انہیں حزب الرحمن کا نمائندہ بنا دیا جائے یہ اس کائنات کی تقدیر بدل کر رکھ دیں گے۔ نوجوان جو سیکولر ہو چکے تھے جو منشیات کی طرف مائل ہو چکے تھے جو لادینیت کی طرف مائل ہو چکے تھے جو دین سے دور ہو چکے تھے، جو خدا رسول سے باغی ہو چکے تھے ان نوجوانوں کے دلوں کے اندر آپ نے روح پھونکی اور وہی جوان آج ہم دیکھتے ہیں کہ جب مساجد میں جاتے ہیں، پبلک مقامات میں جاتے ہیں یہ جب بڑے بڑے سکالرز

کے ساتھ جا کر بیٹھتے ہیں تو وہاں پہ ان کا ایک سحر طاری ہوتا ہے۔ وہ لوگ اس ہستی کامل کی نگاہِ تربیت کے تیار کردہ ہیں۔ ان کے جذبوں کو محفوظ کیا اور ان کو ضائع ہونے سے بچالیا اور ان کو ایک تحریک کا رنگ دیا۔ آج آپ دیکھیں یہ وہی تحریک ہے جو ایک خانقاہ کے اندر رول ماڈل کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ ان بنیادوں پہ ہے جو علامہ اقبال نے کہا تھا کہ

؎ نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری

رسم شبیری ادا کرنے کے لیے آپ نے خانقاہ سے یہ لوگ اٹھا دیے۔ میں ایک چھوٹی سی مثال دیتا ہوں۔ کہ بے شمار خانقاہیں ہیں ہر خانقاہ کے ساتھ تھوڑے یا بہت لوگ Related ہیں اور وہ قصبوں میں بھی ہیں، وہ دیہاتوں میں بھی ہیں وہ شہروں میں بھی ہیں اور وہ ترقی پذیر مما لک میں بھی ہیں، وہ ترقی یافتہ مما لک میں بھی ہیں، وہ چپڑاسی کے عہدوں پر بھی فائز ہیں، وہ منسٹر بھی ہیں، وہ جج بھی ہیں وہ کلرک بھی ہیں، وہ تمام معاشرے میں جگہ جگہ پہ پھیلے ہوئے ہیں۔ اب اگر خانقاہ اپنا کردار ادا کر رہی ہوتی اور خانقاہ اپنے ان عجمی خیالات کے اندر غرق نہ ہو گئی ہوتی تو آج وہ لوگ مِلّت کے اِس کٹھن مرحلے میں ایک کردار ادا کر رہے ہوتے۔ دُنیا کو درپیش چیلنجز سے نبٹ رہے ہوتے۔ مگر بدقسمتی سے جب خانقاہ نے اپنے اطوار اور شیوے بدل لیے، خانقاہوں سے عمل کی تبلیغ اور دعوت کی بجائے جب رہبانیت کی دعوت نکلنے لگی، اس کائنات کو مسخر کر دینے کی بجائے جب خانقاہوں سے ترک دنیا کی آوازیں نکلنے لگیں اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ پوری عالم انسانیت اندھیرے، ظُلمت اور جہالت

میں ڈوب گئی۔

یہ احیاء جو سلطان الفقر نے اصلاحی جماعت اور عالمی تنظیم العارفین کی بنیاد رکھ کے کیا یہ آپ نے ان سوئے ہوئے لوگوں کو جگایا۔ اور میں نے دیکھا ہے کہ بڑے بڑے ڈاکو، چور اور Criminal لوگ جب ان کے کانوں میں اس جماعت کی آواز پہنچی ہے ان لوگوں نے اس پہ لبیک کہا ہے اور آج وہی لوگ ہیں جو اصلاح یافتہ ہو کر جب نکلتے ہیں تو ان کے رشتہ دار اس بات پر یقین نہیں کرتے کہ کیا یہ وہی آدمی ہے جو کل تک یہاں پہ ایک لٹیرا تھا، Criminal تھا، سب سے بڑا کرپٹ تھا آج یہ ایک مردِ مسلماں بن کے، ایک مردِ مومن بن کے اپنا معاشرتی کردار ادا کر رہا ہے۔ الحمدللہ دُنیا اس کی تقلید میں چلتی ہے۔ دنیا اس کو دیکھتی ہے کہ یہ جاہل لوگ یہ ان پڑھ لوگ جنہوں نے ایک کلاس تک نہیں پڑھی، جنہوں نے زندگی میں کبھی قرآن کو ہاتھ تک نہیں لگایا مگر جب وہ سپیکر پہ، سٹیج پہ آتے ہیں اور وہاں پہ کھڑے ہو کر معرفتِ الٰہی کی اور مقصدِ حیات کی دعوت پیش کرتے ہیں تو لوگ اُنگلیاں منہ میں ڈال کر دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ ہم مانتے ہیں اس چیز کو کہ ہاں واقعی یہ علم اکتسابی نہیں بلکہ عطا ہے۔ تو یہ وہ محرکات ہیں، یہ وہ انقلابی تحریک کا ایک بنیادی ڈھانچہ ہے جو آپ نے خانقاہی نعم البدل کے طور پہ پیش کیا۔ جسے ہم اصلاحی جماعت اور عالمی تنظیم العارفین کی صورت میں دیکھتے ہیں۔

مَیں تحریکی حوالے سے ایک چیز عرض کروں گا کہ حضور مرشد کریم نے کبھی بھی

ظہورِ کرامت پہ زور نہیں دیا اور اپنے طالبوں کی ظہورِ کرامت کی شعبدہ بازیوں میں تربیت نہیں کی۔آپ نے ہمیشہ جدو جہد اور جہدِ مسلسل اور محنتِ شاقہ کو سب سے بڑی کرامت کہا ہے۔ مجھے وہ لفظ یاد آتے ہیں جب ڈاکٹر مہاتیر محمد کو ایک تقریب میں اسٹیج سیکریٹری نے مدعو کرتے ہوئے کہا کہ ’’اب خطاب کیلئے آتے ہیں ’’ایشیائی اقتصادی معجزے‘‘ کے روحِ رواں‘‘۔ڈاکٹر مہاتیر محمد نے اسٹیج پہ آتے ہی کہا کہ ’’میں ایشیائی اقتصادی معجزے کا نہیں بلکہ ’’ایشیائی اقتصادی جدّوجہد‘‘ کا نمائندہ ہوں‘‘۔

جب میں حضور سلطان الفقر کا پیغام اور اس کی پوری روح کو پورے خلوص کے ساتھ دیکھتا ہوں تو مجھے یوں لگتا ہے کہ ڈاکٹر مہاتیر محمد نے آپ کی ان تعلیمات کو سامنے رکھ کے کہا ہے کہ معجزے سے قوموں کی تقدیریں نہیں بدلتیں، قوموں کی تقدیریں ان کی جہدِ مسلسل اور ان کی ہمت اور ان کی کوشش سے بدلتی ہیں۔ اگر معجزوں سے تحریکیں چلتیں تو رسول اکرم ﷺ جب طائف سے نکل رہے تھے جبریل امین آ کر کہتے ہیں یا رسول اللہ ﷺ آپ کہیں تو ان پہ پہاڑ الٹ دوں آپ نے فرمایا نہیں۔اب بدر کے میدان میں رسول اللہ ﷺ، اللہ کی بارگاہ میں یہ سوال کرتے ہیں الٰہ العالمین اگر یہ مٹھی بھر لوگ مٹ گئے تو تیرا نام لیوا کون ہوگا۔اس وقت رسول اللہ ﷺ یہ نہیں کہہ سکتے تھے اللہ کی بارگاہ میں کہ الٰہ العالمین اب یہ ہمارے بس کی بات نہیں ہے یہ ہم کوشش نہیں کر سکتے ۔ کیا کوشش کروں گا یہاں پہ لوگ شہید ہو جائیں گے اس لیے بہتر یہ ہے کہ ان کفار کے اوپر کوئی پہاڑ رکھ دے۔ اگر رسول پاک کہتے کہ الٰہ العالمین ان پہ پہاڑ الٹ دے تو کیا خداوند کریم محبوب ﷺ کی اس دعا اور التماس کی لاج نہ رکھتے؟ کفار مکہ پہ اس وقت پہاڑ نہ رکھ دیا جاتا تو یہ اس بات

کی دلیل ہے کہ جو جنگِ بدر تھی وہ اِسلامی عسکری معجزہ نہیں تھا وہ اِسلامی عسکری کوشش تھی جہاد تھا جو کہ جُہد سے نکلا ہے۔نظام معجزوں سے نہیں نافذ ہوتے نظام کوشش سے نافذ ہوتے ہیں۔حضور سلطان الفقر ششم نے جماعت کو معجزوں سے آگے نہیں بڑھایا، کرامت سے آگے نہیں بڑھایا آپ نے جماعت کو کوشش سے، محنت سے آگے بڑھایا، دن کو سفر کیے، راتوں کو سفر کیے، بہار میں سفر کیے، خزاں میں سفر کیے، چھاؤں میں سفر کیے، دھوپ میں سفر کیے، گاڑیوں میں، ہوائی جہاز پہ، ریل پہ، گھوڑوں پہ اور پیدل سفر کیے، تکالیف اٹھائیں، کانٹے لگے، پتھروں کی نوکیں لگیں، چٹانیں چبھیں اور بہت سے لوگ آئے، بہت سے لوگ گئے، آپ کے پاؤں زخمی ہوئے، آپ کے کانٹوں سے اُلجھ کے کپڑے پھٹے اور آپ کو تکالیف ہوئیں مگر آپ نے پوری جدو جہد کی، پوری کوشش کی اور وہ تو وقت کا سلطان تھا، وہ فقر کا سلطان تھا، اُسے کیا ضرورت تھی؟ کائنات اس کے تصرف میں تھی، اس کے غلام تھوڑے تھے غلامی کرنے والے۔ ایک جگہ پہ تشریف فرما ہوتے اور غلاموں کو وہیں سے آپ Manage فرماتے وہیں سے روانہ کرتے کہ جاؤ اور اس پیغام کو آگے لے چلو تو کیا غلام نہ نکلتے؟ نکلتے! مگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہماری نظروں میں ہمیشہ یہ پہلو رہنا چاہیے کہ حضور سلطان الفقر جہاں ایک صاحبِ ارشاد مرشد تھے، جہاں ایک تنظیم اور تحریک کے قائد تھے، وہیں آپ نے تحریک کے کارکن کے فرائض بھی سرانجام دیے۔ کانفرنسز اور محافل کے بعد جب لنگر تقسیم ہوتا تھا حضور سلطان الفقر کو دیگ کے قریب بیٹھے اپنے ہاتھوں سے لنگر تقسیم کرتے ہوئے ہم نے دیکھا ہے۔ وہاں کیا کمی تھی جانثاروں کی؟۔

آج ہم دُنیا کے سامنے جا کر جب یہ بات کرتے ہیں تو لوگ اس بات پر یقین نہیں کرتے حضرت سلطان باھُو کی وہ ہستی کروڑوں لوگ ایک اشارے پہ اپنی جان نچھاور کر دیں اور ایک اتنی بین الاقوامی تنظیم کے قائد یہ مثال رقم کر رہا ہیں کہ آپ اپنے ہاتھوں سے ان لوگوں کے اندر لنگر تقسیم کر رہے ہیں۔ یاد رکھیں جو تحریک کا قائد ہوتا ہے اس کی ذمہ داریوں کے اندر یہ شامل نہیں کہ وہ جلسے میں آئے ہوئے ہر ایک آدمی سے مصافحہ کرے۔ اس کا کام ہے کہ وہ وہاں آئے لوگوں کے ساتھ گفتگو کرے، لوگوں کو Massage Deliver کرے اور بس! آپ نے کبھی کسی تحریک کے قائد کو نہیں دیکھا ہوگا کہ جلسے کے اختتام کے بعد وہ وہاں پہ بیٹھا رہے اور آنے والے جتنے بھی شرکاء ہیں ان سے سلام کر کے جا رہے ہیں۔

یہ وہ کمال تھا آپ کے بطورِ کارکن ہونے کے اور بطورِ قائد ہونے کے کہ ہر ایک کارکن کو ہر ایک نظریاتی کو آپ نے اپنی نظر سے نوزا، اپنے کلام سے نوازا اور اپنے معانقے سے، اپنے مصافحہ سے نوازا، مَیں سمجھتا ہوں کہ تحریک کی تاریخ کے اندر کوئی ایسی مثال نہیں ملے گی، ایسا قائد نہیں ملے گا جو قیادت حضور سلطان الفقر نے کی۔ پھر لوگ یہاں پہ تحریکیں چلاتے ہیں اور دو تین چیزیں اتنی ضروری سمجھی جاتی ہیں کہ جب تک کسی قائد کے اندر وہ دو صلاحیتیں نہیں ہیں لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تو تحریک نہیں چلا سکتا۔ سب سے پہلے یہ کہ قائد کی تقریر کیسی ہے یقیناً یہ ایک بہت بڑی خصوصیت اور بہت بڑی کوالٹی ہے۔ قائد کی تحریر کیسی ہے کہ اُس نے دُنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ مَیں چیلنج سے کہتا ہوں کہ مجھے تاریخِ تحریک اور انقلاباتِ عالم کی تاریخ میں ایک قائد

ایسا دکھا دو جس نے اپنی تحریک میں کبھی خطاب نہیں کیا، جس نے کبھی کوئی تحریر نہیں لکھی۔

لیکن میری تحریک کے بانی کے خطاب کے بغیر، اس کی تحریر کے بغیر اس کے کارکن اس کے اشارے پر اپنی جانیں نچھاور کر رہے ہیں اور وہ انقلاب دُنیا کے تمام براعظموں میں پھیل چکا ہے، اس کی بنیادیں پختہ سے پختہ تر ہوتی جا رہی ہیں بغیر تقریر کے بغیر تحریر کے۔ یہ کمال اور مثال ہے جو میرے مرشدِ کریم نے اپنی نظر سے اور اپنی نگاہ سے ثبت کی ہے۔ اور جو شکوہ اقبال نے کیا تھا کہ

کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیرکارواں میں نہیں خوئے دلنوازی

اور ہم نے دیکھا ہے وہ خوئے دلنوازی والا قائد جس نے کارواں سے ٹوٹے ہوؤں کو جوڑا ہے، جس نے حرم سے بدگمانوں کا یقین مکمل اور مستحکم کیا ہے اور واپس اسی ڈگر پہ لا کر کھڑا کیا ہے جہاں ان کے سامنے توحید و رسالت کے سوا کچھ نہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر آپ کرامت کی بات کریں کہ بانئ اصلاحی جماعت کی کرامت کیا ہے؟ تو اس کی کرامت یہ تھی کہ اس نے بھٹکے ہوؤں کو، بھولوں ہوؤں کو اس نے وہ راہ دکھلا دی ہے کہ آج وہی لوگ جنہیں لوگ جاہل کہتے تھے جنہیں لوگ ظالم کہتے تھے، جنہیں لوگ بھٹکا ہوا بھولا ہوا کہتے تھے آج وہی لوگ اس کائنات کے سامنے مثال بن کر نکل رہے ہیں، وہ اس کائنات کے سامنے انقلابی بن کر نکل رہے ہیں،

ایک زندہ اور روشن مثال بن کے نکل رہے ہیں۔ وہ مثالیں جو انشاء اللہ رہتی دنیا تک قائم رہیں گی۔

رسمِ شبیری ہمیشہ فقراء نے ادا کی ہے اور یہ فقراء کا ہی شیوہ ہے۔ جب بھی دین پہ لوگوں نے سمجھا ہے کہ اب سورج غروب ہونے کی طرف جا رہا ہے تو اس وقت فقراء نکلے ہیں اور انہوں نے وہ مثال قائم کی کہ دنیا دیکھتی رہ گئی کہ ابھی یہ سورج جو مغرب میں غروب ہو رہا تھا یہ اچانک مشرق سے طلوع کیسے ہو رہا ہے؟ جس کی ابتداء سیدنا امامِ عالی مقام سے ہوئی۔

سر داد نہ داد دست در دستِ یزید

ظُلم کے سامنے ڈٹ جانا رسمِ شبیری ہے۔ دورِ حاضر میں جب ہم یہ کہتے ہیں کہ تنظیم العارفین رسمِ شبیری ادا کر رہی ہے تو میں اس کی وضاحت کر دوں کہ یزید صرف وہ نہیں تھا جو امام حسین علیہ السلام کے سامنے کھڑا تھا، یزید کسی فرد کا نام نہیں ہے، یزید کوئی شخصیت نہیں ہے بلکہ یزید ایک سوچ کا نام ہے۔ یزیدیت ہمیں شروع دِن سے نظر آتی ہے آپ جنت میں چلیں جائیں آدم حسینیت کی نمائندگی کر رہا ہے اور ابلیس جو بہکانے والا تھا یزیدیّت کی نمائندگی کرتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام رسمِ شبیری ادا کر رہے ہیں اور نمرود رسمِ یزیدی ادا کر رہا ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام رسمِ شبیری ادا کر رہے ہیں اور فرعون وہ رسمِ یزیدی ادا کر رہا ہے۔ اور جب ہم مدینے میں

دیکھتے ہیں تو رسول پاک ﷺ رسمِ شبیری ادا کر رہے ہیں اور ابو جہل رسمِ یزیدی ادا کر رہا ہے، ابولہب رسمِ یزیدی ادا کر رہا ہے۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں امامِ عالی مقام سیدنا امامِ حسین رضی اللہ عنہ وہ کی رسم، رسمِ شبیری تھی ان کے مدِّ مقابل رسمِ یزیدی تھی۔ اسی طرح بعد میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جہاں بھی حق و باطل کا معرکہ ہوا جو حق پہ تھا اس نے رسمِ شبیری ادا کی، جو باطل تھا اس نے رسمِ یزیدی ادا کی۔

آج کے دور میں آپ دیکھیں کہ یزیدیت کہاں پہ ہے؟ آج یزیدیت مادیت کے رُوپ میں انسانیت کو نگلنے کے لیے بے تاب ہے۔ آج یزیدیت امیریکن اسٹیبلشمنٹ ہے، آج یزیدیت اسرائیلی اسٹیبلشمنٹ ہے، آج یزیدیّت انڈین اسٹیبلشمنٹ ہے، آج یزیدیّت وہ سامراج ہے، وہ اِستحصالی قوتیں ہیں جنہوں نے یہاں پہ طبقات قائم کر دیے جو کبھی کیپٹل ازم کے نام پہ آتے ہیں، کبھی سوشل ازم کے نام پہ آتے ہیں، کبھی کامن ازم کے نام پہ آتے ہیں اور کبھی سیکولر ازم کے نام پہ آتے ہیں اور اس انسانیت کو خدا کے اس کنبے کو ٹکڑوں میں بانٹتے ہوئے بدمست ہاتھیوں کی طرح پاؤں تلے روندتے ہوئے آگے نکل جاتے ہیں یہ سب یزیدیّت ہے اس کے سامنے حُسینیّت اور رسم شبیری ادا کی ہے تو وہ فقراء نے ادا کی ہے اور ایک تو یہ یزیدیّت ہے دوسری یزیدیّت آپ دیکھیں کہ آج اس دُنیا کے اندر بڑھتی ہوئی مادہ پرستی ہے، بھائی بھائی کا گلہ گھونٹ رہا ہے کس کی خاطر؟ تین مرلہ کے پلاٹ کی خاطر، باپ بیٹوں کو قتل کر رہا ہے کس کی خاطر؟ ایک وقت کی روٹی کی خاطر۔

؎ ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو

یہ نفس کی خواہشات، شیطانی خواہشات، زِنا، بدکاری، بڑھتی ہوئی عریانی، بڑھتی ہوئی فحاشی، ٹوٹتا ہوا فیملی یونٹ، ختم ہوتا ہوا خاندانی ڈھانچہ، یہ تمام کی تمام یزیدیّت ہے اور پھر اسی طرح ہم دیکھتے ہیں، دِین سے دُوری، خدا کی پہچان سے دُوری، خدا کی معرفت سے دُوری اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق سے دُوری، مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے دُوری، مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع سے دُوری، مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت سے دُوری اور اہلِ بیت سے دُوری، صحابہ سے دُوری، یہ تمام کی تمام چیزیں یزیدیّت کی علامتیں ہیں اور رُوحانیت سے دُوری، رُوح سے غفلت، ذکرِ الٰہی سے غفلت، یادِ الٰہی سے غفلت، توحید سے غفلت، شرک، کفر، انکارِ نبوت، انکارِ رسالت، توہینِ رسالت یہ تمام کی تمام چیزیں یزیدیّت کی نمائندگی کرتی ہیں اور اس کے سامنے اقبال نے کہا تھا کہ

؎ نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری

اصلاحی جماعت وعالمی تنظیم العارفین وہ تحریک ہے جو یزیدیّت کے تمام بُتوں کو پاش پاش کرنے کے لیے معرضِ وجود میں آئی ہے اور یہ وہ رسمِ شبیری ہے جو اصلاحی جماعت کے کارکن سفید دستاریں اپنے سَروں پہ سجائے دُنیا کے طول وعرض میں چل رہے ہیں، پھیل رہے ہیں، صدا لگا رہے ہیں، نِدا لگا رہے ہیں کہ نکلو، حُسینیّت کو دیکھو، یزیدیّت کو دیکھو۔ حُسینیّت کو اپناؤ اور اِن یزیدی بُتوں کو اپنے قدموں کی ٹھوکروں سے پاش پاش کرتے ہوئے آگے بڑھ جاؤ۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ فقراء کے سلاسل کے اندر ایک تعطل آ گیا، ایک جمود آ گیا اور اُس تعطل اور جمود کی بُنیادی وجہ میرے حضور مرشد کریم مجھے اکثر فرماتے تھے کہ دو لوگوں سے بچ کے رہنا ایک وہ آدمی جو بے جا تنقید کرے اور ایک وہ آدمی جو بے جا تعریف کرے تو تصوف میں جو جمود آیا جب اندھی عقیدت، اندھی تقلید اور اندھی دست بستگی شروع ہوئی اُس نے اُس تصوف کی بنیاد ڈالی جو مدنی رُوحانیت نہیں بلکہ عجمی جوگیّت اور رہبانیّت تھی جس میں ترکِ دُنیا کی تعلیم تھی، جس میں ترکِ توکل کی تعلیم تھی، جس میں مجوسیّت کا رنگ تھا، جس میں پارسیت کا رنگ تھا جس میں وَیدوں کا رنگ تھا اور آہستہ آہستہ یہ رنگ تصوف پہ چڑھتا گیا اور نتیجتاً تمام چیزیں اس کی لپیٹ میں آ گئیں جس جال سے اُمت آج تک اپنے آپ کو نہیں نکال سکی اور یہ رسمِ شبیری ادا کرنی تھی تو فقراء نے مگر جب ان کے اوپر وہ جال پڑ گیا تو پھر یہ رسمِ شبیری بھی تھم گئی اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نعوذ و باللہ آپ رُوحانیت سے خالی تھے؟ کیا سیّدنا ابوبکر صدیق رُوحانیت سے خالی تھے؟ سیدنا عمر فاروقؓ، سیدنا عثمانؓ، سیدنا علیؓ، خالد بن ولیدؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ حضرت معاذ بن جبل اور بڑے بڑے جو ہمارے اسلامی تاریخ کی نامور شخصیات گزری ہیں، یہ تمام لوگ کیا رُوحانیت سے خالی تھے اگر رُوحانیت جمود طاری کرنے کا نام ہے، اگر رُوحانیت تعطل کا نام ہے تو پھر وہ کون سے انقلابی تھے جو عرب کے ریگزاروں سے نکلتے ہیں اور دُنیا کے ایک بڑے کونے پر چھا جاتے ہیں اور پوری کائنات کا نقشہ بدل کر رکھ دیتے ہیں اور جہالت کو اُجالوں میں بدل دیتے ہیں اور ظلمت کو نور میں بدل دیتے ہیں۔

مٹایا قیصر و کسریٰ کے اِستبداد کو جس نے

وہ کیا تھا؟ زورِحیدر، فقرِ بوذر، صدقِ سلمانی

وہ اُن کے فقر کی طاقت تھی فقر سے الگ کوئی چیز نہیں تھی اور جب بھی توحید کا نفاذ ہوا وہ فقر سے الگ ہو کر نہیں ہوا۔ ہاں یہ خانقاہی نظام کی کمزوری تھی، یہ خانقاہی نظام کی کمزوری ہے اِسے دور کرنا ہوگا جس کے متعلق اقبال نے کہا تھا

اِسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
کہ ہوں ایک جنیدی و اُردشیری

اگر آپ جنیدی اور اُردشیری کو الگ الگ کر دیں تو اس دنیا میں سب فساد ہوگا جب تک جنیدی اور اُردشیری یکجا ہوں گے اس وقت تک اس زمین کے اوپر امن رہے گا کیونکہ وہ توحید کی حکومت ہوتی ہے وہ فقر کی حکومت ہوتی ہے۔

سلطان الفقر حضرت سلطان محمد اصغر علی رحمۃ اللہ علیہ نے اِسی چیز کو محسوس کیا کہ اب دُنیا کٹ رہی ہے رُوحانیت سے اور ضرورت ہے کہ اُس جدّت کے ساتھ اُس پیغام کو لے کر آگے پہنچایا جائے اور آگے پھیلایا جائے اُس کیلئے آپ نے مختلف درسگاہیں قائم کیں، ضلع تحصیل اور یونٹ لیول پہ، آپ نے مختلف طریقوں سے اہتمام کیا اور نوجوانوں کو، لوگوں کو، بیٹیوں کو بہنوں کو دعوت دی اور لوگوں کو آپ نے تعلیمات حضرت سلطان باھوؒ سے رُوشناس کروایا جو خالصتاً جدت کا پیغام ہے اور جن

میں ایک لمحہ کیلئے جمود نہیں ایک لمحہ کیلئے بھی تعطل نہیں آپ نے پبلی کیشنز قائم کیے جس میں کتب کے تراجم ہوئے اور لوگوں تک وہ پیغام پہنچا اور آج وہی پیغام، وہی کتابیں جو حضرت سلطان باھوؒ کے کتب کی تراجم کی صورت میں ہوں یا وہ تُکس اصلاحی جماعت کے چلتے پھرتے کارکن ہوں۔ آج آپ مغرب میں جائیں حضرت سلطان باھو کا نام کسی بھی جگہ پہ اجنبی نہیں کہ اِس کی بنیادی وجہ ایک حضرت سلطان باھو کا رُوحانی فیض ہے اور اس کے بعد حضرت سلطان کے آستانہ عالیہ سے چلنے والی یہ انقلابی تحریک ہے جس میں خانقاہ، رُوحانیت، اور فقر کی اصل حقیقت کو کھول کر رکھ دیا ہے کہ کائنات کیسے چلتی ہے؟ کائنات کا نظام کیا ہے؟ اور اس کے اندر جو خرابیاں اور خرافات ہیں ان کو ٹھیک کیسے کیا جا سکتا ہے؟ یہ کنجی آپ نے اُن تعلیمات کے ساتھ کھول دی اور آج گو کہ انتہائی مختصر پیمانے کے مگر اس انقلاب کی بنیاد رکھّی جا چکی ہے کہ جب اِس تحریک کے فیض سے وابستہ بڑے بڑے سیاست دان فیصلے کرتے ہیں تو وہ ایک مرتبہ سوچتے ہیں کہ اِس کے متعلق ہم اپنے اَسلاف کی طرف دیکھیں کہ ہمارے اَسلاف نے کیا رائے قائم کی ہے تو مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ تبدیلی جو ہم دیکھ رہے ہیں گو کہ انتہائی مختصر پیمانے میں آج نظر آ رہی ہے اِس میں تنقید کی گنجائش تو ہوگی لیکن آپ مستقبل میں دیکھیں گے کہ یہ پیغام جیسے جیسے بڑھے گا اُسی طرح اُن لوگوں کے اندر تبدیلیاں آئیں گی اور جب اِس پیغام سے فیض یافتہ لوگ اقتدار کے ایوانوں کے اندر جائیں گے جہاں پہ خلقِ خدا کے فیصلے ہوتے ہیں تو پھر وہ فیصلے قرآن کی روشنی میں ہوں گے، وہ سنّت کی روشنی میں ہوں گے، وہ فقر کی روشنی میں ہوں گے، پھر اُن کے اندر جرأت بھی ہوگی، خود داری بھی ہوگی، اُن کے اندر غیرت اور

حمیّت بھی ہوگی اور پھر اُن کے اندر ایک انفرادیت بھی ہوگی جس سے دُنیا کے اندر سے اِستبداد کا خاتمہ ہوجائے گا اور توحید کا مکمل نفاذ ہوجائے گا اور یہ کائنات، یہ خدا کا کُنبہ، یہ عالمِ انسانیت یہ پھر سے اُسی روش پہ چل پڑے گا اور اس طرح معلوم ہوگا کہ شاید اس کائنات کو تخلیق ہی آج کیا گیا ہو اِتنی پُر امن ہوگی یہ کائنات۔

اِس وقت اِنسانیت کو، اُمت مسلمہ کو اور وطنِ عزیز اِسلامی جمہوریہ پاکستان کو جن چیلنجز کا سامنا ہے اور جو خطرات درپیش ہیں اُن میں واحد پیغام اور واحد آواز اصلاحی جماعت اور عالمی تنظیم العارفین کی ہے جو اس کی بقاؔ کی ضامن بن سکتی ہے اور جب مَیں یہ دیکھتا ہوں کہ اِنسانیت کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے؟ انسانوں کے جسموں کی نمائش، اور So Called مہذب معاشروں میں انسانی جسموں کی لگتی ہوئی منڈیاں، اِستحصالی اور سامراجی طاقتوں کا بڑھتا ہوا اِستحصال اور سامراجی ہتھکنڈے اور دُنیا کے اُوپر Western Stablishment کی حکمرانی کا خواب، یہ خطرات ہیں انسانیت کیلئے اور دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں ملّتِ اسلامیہ کو تو پچھلے ڈیڑھ صدی سے ڈیڑھ کروڑ مسلمانوں کا قتلِ عام کیا گیا اور اِس قتلِ عام کی آواز بلند کرنے والوں کو آج دہشت گرد کہا جاتا ہے آج اِن کو Fundamentalist کہا جاتا ہے اور اُمت فرقوں میں تقسیم ہے۔ مسالک کی زنجیریں ہمارے پاؤں سے بندھی ہوئی گھنگھروؤں کی طرح کھنکتی ہیں اور ہمارے چہرے کو نوچ رہی ہیں۔ وطنِ عزیز پاکستان اِس کی بقا، اس کی سلامتی پر خطرات منڈلا رہے ہیں۔ اِن میں ایک طاقتور اور جاندار آواز کا اٹھنا جو Low Profile طریقے سے، کسی بھی قسم کی ریاکاری سے پاک ہو کے، اِس پیغام کو

لے کے آگے بڑھ رہی ہے اور یہ فیضان ہے اللہ کے نام کا، اُس کی توحید کا، گنبدِ خضریٰ کا اور سلطان الفقر کا، جو آج جانشین سلطان الفقر کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے اور اِس لیے آج پوری دُنیا کو اِس پرچم کے نیچے آنے کی ضرورت ہے جہاں کوئی طبقاتی تفریق نہیں، جہاں اِستحصال نہیں، جہاں تقسیم نہیں، جہاں فرقے نہیں، جہاں لِسانی تضاد نہیں اور پوری دُنیا **الخلق عیال اللہ** کے تحت اِس جھنڈے کے نیچے جمع ہو سکتی ہے۔ مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ وہ تحریک ہے جس کا انقلاب آنے والا مؤرخ لکھے گا اور جس کی قربانیاں جو بغیر کسی ریاکاری کے آج اِس معاشرے کے استحکام کے لیے جاری ہے یہ یقیناً تاریخ کے بہت سنہری ابواب ہوں گے۔

وقتِ فُرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نُورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے

☆☆☆☆